ماقبل نوآبادیاتی عہد میں زبانِ حکمرانی کی تشکیل، جان گل کرسٹ کا اہم لسانی منصوبہ

ڈاکٹر ساجد جاوید*

Abstract:

John B.Gilchrist was very important grammarian of Urdu language in the late 18th century.He,after arrival in India,learnt Urdu and other vernacular languages here.He compiled English to Urdu dictionary and Urdu (Hindoostanee)grammar to preserve the grammatical rules and vocabublary of Urdu language from common and literary circles.The history of this language discussed it just an importanat work formally.It was not just the compilation of works of Urdu language.Gilchris set a plan to discover and built the structure of language of command for the upcoming colonial rule of East India Company of England.He set the three degrees of Urdu language with examples to rule on the natives of india.The pattern of "language of command" by Bernard S.Cohn is also discussed in this article to strengthen the said thesis.The language of command plan can also be derive from the books published under the title of "Hindoostanee Philology" by John Gilchrist.

جان گل کرسٹ (۱۸۴۱۔۱۷۵۹) کو اردو زبان اور ادب کی ترویج اور اشاعتی منصوبوں کی وجہ سے اردو تاریخ میں اہم مقام حاصل ہے جس کی اہمیت تا دیر رہے گی۔اردو لسانیات،تقابلی لسانیات اور ہندوستانیات (Indology) کے شعبوں میں ان کی گراں قدر خدمات پر اردو طبقے نے محض معمولی اور تعارفی نوعیت کے کام سے ان کی لسانی و ادبی جہات سامنے لانے کی کوششیں کی ہیں جو اپنی جگہ اہم ہیں۔اٹھارہویں صدی میں گو فارسی زبان سرکار اور اشرافیہ کی وجہ سے کلاسیکی حیثیت برقرار رکھے ہوئے تھی لیکن اردو (ہندوستانی) زبان

* شعبہ اُردو، سرگودھا یونیورسٹی، سرگودھا

ورنیکلر(vernaccular) ہوتے ہوئے بھی تیزی سے فارسی کی جگہ معتبر زبان بننے جارہی تھی۔اردوطبقہ اپنے طوراس زبان کواصلاحِ زبان کا نام دے کرعوامی لب و لہجے سے دور کرنے کی اپنی سی کوشش میں مگن تھا لیکن علاقائی لب و لہجے اور محاورے نے اس زبان کی ترقی کی رفتار کو تیز کر دیا تھا۔اس منظر نامے میں گل کرسٹ ہندوستان آئے (۱۷۸۲ء)۔اردو زبان کی افادیت،اس میں چھپے امکانات کو دریافت کرنے کے بعد اس کو کلاسیکی زبانوں کے ہم پلہ بنانے کے لئے اپنے لسانی منصوبے کا آغاز کیا جس پر چل کر اردو اس مستند مقام تک پہنچی جہاں اس کو انگریز وں نے سرکاری زبان کا درجہ دیا۔

جان گل کرسٹ کے ہندوستان آنے کے (۱۷۸۲ء) فوراً بعد طب کے شعبے کو چھوڑ کر مقامی زبانوں' بالخصوص اردو زبان کی تحصیل کی طرف ان کی عملی کاوش ان کے ابتدائی دور کا ایک بڑا کارنامہ سمجھی جاسکتی ہے۔ایک نووارد غیر ملکی نوجوان کے لیے کیریئر کے ابتدائی برسوں میں طب جیسے اہم شعبے کو نظر انداز کر کے غیر ملکی زبانوں کی تعلیم حاصل کرنے کی طرف یوں متوجہ ہونا ان کی لسانی خدمات کے سلسلے کا پہلا سنگ میل ہے۔جس کے بعد انہوں نے اردو زبان کی مختلف جہات میں قابلِ قدر اور غیر معمولی لسانی اہمیت کا حامل اقدامات کیے۔جان گل کرسٹ کی نگاہ دوررس نے اس عہد میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے بڑھتے ہوئے جارحانہ اقدامات کو بھانپ لیا تھا کہ کمپنی کا مطمح نظر بہت جلد تجارت سے ہٹ کر ہندوستان کی حکمرانی میں تبدیل ہوگا۔اس مقصد کے لیے کمپنی اور اس کے مقامی مقتدر افسروں کو مقامی آبادی پر حکمرانی کرنے اور ان کو سمجھنے اور اپنا نقطہ نظر واضح کرنے کے لیے بہت جلد کسی ایسی زبان کی ضرورت پیش آنے والی ہے جو پورے ملک میں بولی اور سمجھی جاسکتی ہو۔چنانچہ اس دور میں ہندوستانی زبان (موجودہ اردو) ملک میں رابطے کی عام زبان ہونے کے باعث ان کی نظر انتخاب میں آئی۔ہندوستانی زبان کی تحصیل کا مقصد گل کرسٹ نے اپنی کتاب 'Appendix' میں افشا کیا۔گل کرسٹ لکھتے ہیں'

> "I instantly foresaw that my residence, in any capacity, would prove as unpleasant to myself, as unprofitable to my employers, until I acquired an adequate knowledge of the current language of the country, in which I was now to sojourn. I therefore sat resolutely down to acquire what was then termed as the Moors. During the march with the bengal Troops under the command of Col. Charles Morgan from Surat to Fatehgarh, I had innumerable instances in every town and village, we visited of the universal currency of Language, I had been learning"(۱)

گل کرسٹ کے ان جملوں پر غور کیا جائے تو دو زاویے واضح ہو کر سامنے آتے ہیں۔ایک یہ کہ ان کا قیامِ ہندوستان یہاں کی زبان جانے بغیر ان کے لیے بے اطمینانی کا سبب رہے گا۔دوسرا یہ کہ ان کے فوجی' افسروں' انگریزی مقتدر اشرافیہ اور ان کے دوستوں کے لیے بھی مسائل بنتا رہے گا۔دوسرے لفظوں میں یہ کہ اگر بنگال پر کمپنی

نے حکومت کامیاب بنانی ہے تو اس کے لیے یہاں کے مقامی باشندوں کی زبان سے دوری نہ فرحت بخش رہے گی نہ سودمند۔ یہ پیراگراف ایک فرد کی سوچ' ایک نوآبادیات کار کی سوچ کا زاویہ پیش کرنے کے لیے کافی ہے۔ دیکھا جا سکتا ہے کہ کس طرح بنیادی سطح پر فرد کے ہاں مقامی زبان سیکھنے کے پیچھے محض زبان سیکھنے کا جذبہ نہیں بلکہ ایک استعماری سوچ کے تحت مقامی زبان کی تحصیل کی طرف متوجہ ہونے کے بارے میں سنجیدگی سے سوچا جا رہا تھا۔ یہ تو تھی ایک فرد کی سوچ لیکن ایک فرد کی سوچ کے متوازی کمپنی کے حکمران افسروں کی حریص سوچیں اسی طرح کے منصوبے کی طرف متوجہ ہو رہی تھیں۔

۱۷۸۵ء تک ایسٹ انڈیا کمپنی کے کرتا دھرتاؤں کا منصوبہ تجارت سے حکمرانی میں تبدیل نہیں ہوا تھا۔ کمپنی کے ڈائریکٹران ہندوستان میں موجود گورنر جنرل اور دیگر افسران کو ہدایت کر رہے تھے کہ وہ ہندوستان کے اندرونی و سیاسی معاملات میں دخل اندازی نہ کریں اور اپنا دھیان صرف اور صرف تجارتی مفادات اور ان سے حاصل کیے جانے والے زیادہ سے زیادہ منافع پر رکھیں' لیکن یہ بات اہم ہے کہ اس عہد کے سیاسی حالات کی دگرگوں کیفیت نے مغل حکمرانوں کی نااہلی کا راز انگریزوں کے سامنے کھول کر رکھ دیا تھا۔ مغل بادشاہ شاہ عالم ثانی کو غلام قادر روہیلہ گرم سلائیاں پھیر کر اندھا کر چکا تھا۔ ملک پر نابینا بادشاہ کی موجودگی نے کمپنی کے افسران کے دل میں حکمرانی اور قبضے کا بیج بو دیا جو جلد ہی درخت بن گیا۔ چنانچہ ۱۷۸۶ء میں ایک قانون پاس ہونے سے کمپنی کا نقطہ نظر تجارت سے ہٹ کر ہندوستان کی حکمرانی کے میدان میں تبدیل ہو گیا۔ ڈاکٹر سمیع اللہ کے مطابق'

> ''(آخر کار) ۱۷۸۶ء میں ایک قانون پاس ہوا جس میں گورنر جنرل کو سپہ سالار اعظم تسلیم کر لیا گیا... اس قانون کی رو سے ایسٹ انڈیا کمپنی صرف ایک تجارتی کمپنی ہی نہیں رہی بلکہ ہندوستان میں ایک سیاسی قوت بن گئی۔ اب اسے ہندوستان کے سیاسی معاملات میں این وآں کرنے کا قانونی اختیار بھی حاصل ہو گیا''۔ **(۲)**

۱۷۸۶ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائریکٹروں کو جس قانون کے پاس کرنے کا خیال آیا' اس حکمرانی کا تصور گل کرسٹ پہلے ہی کر چکے تھے۔ انہوں نے کمپنی کے استعماری مقاصد کو بھانپ کر یہ اندازہ کر لیا تھا کہ ہندوستانی مقامی حکمران نااہل ہیں۔ لوگوں میں بھی ان حکمرانوں سے بے دلی پائی جاتی ہے اور یہ کہ سماجی درجہ بندی سے لے کر جاگیردارانہ نظام کے شکنجے میں جکڑے ہوئے افراد کے دلوں سے اشرافیہ اور حکمرانوں سے بے دلی بڑھ رہی ہے۔ چنانچہ انہوں نے ہندوستان کی حکمرانی پر بہت جلد انگریزوں کا مستحکم ہوتا قبضہ جانچ لیا تھا۔ اس دور میں یورپ تیزی سے وسائل سے مالا مال ممالک کو نوآبادیاتی نظام کے شکنجے میں کس رہا تھا' بالآخر ہندوستان کو بھی ایک نوآبادی بنانے کی طرف انگریزوں کا رجحان ہوا۔ گل کرسٹ نے حکمرانی کے مقصد کی بنیادی ضرورت زبان کو خیال کیا۔ وہ اس حقیقت کو سمجھتے تھے کہ انگریز حکمران مقامی کلچر پر حملہ کر کے اس کو تباہ و برباد تو کر سکتا ہے' اس کی حفاظت نہیں کر سکتا۔ ملک بھر میں سرکاری زبان فارسی اشرافیہ کی زبان اور ادبی زبان کے طور پر موجود تھی لیکن مقامی زبان اردو تیزی سے

ہر ہر میدان میں اس زبان کی اہمیت کم کر کے اپنی جگہ مستحکم کرتی جارہی تھی۔اس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ اردو زبان عوامی بول چال کے ساتھ ساتھ اٹھارہویں صدی میں ادبی زبان کے ممتاز درجے کو پا چکی تھی۔گل کرسٹ نے اس ادراک میں دیر نہیں لگائی کہ انگریز اپنی حکمرانی مستحکم کرنے کے بعد فارسی زبان کو مغل عہد کے یادگار ہونے کی وجہ سے بھی سرپرستی نہ کریں گے اور اس کی جگہ ان کو کسی اور ایسی زبان کی ضرورت پڑے گی جو سرکار دربار کا کام بھی بخوبی انجام دے سکے اور عوام کا حکمرانوں سے رشتہ بھی ممکن بنا سکیں چنانچہ اردو زبان (ہندوستانی) گل کرسٹ کو وہ زبان لگی جو اس مقصد کے لیے بروئے کار لائی جاسکتی تھی۔پس اس زبان کی تحصیل' اس میں لسانیاتی کام کی طرف متوجہ ہونا' اس کی قواعد ولغت مرتب کرنا گل کرسٹ کو اہم کام نظر آیا اور بلاشبہ وقت نے ان کی دوراندیشی اور اس کام کی اہمیت کو ثابت کر کے رکھ دیا کہ یہ کام طب کے کام سے کہیں زیادہ اہم تھا۔گل کرسٹ کو اپنے منصوبے کی اہمیت اور افادیت پر اتنا بھروسہ تھا کہ وہ اپنے کام کی بدولت مقتدر طبقے کی توجہ اس زبان کی مذکورہ اہمیت کی طرف دلانے میں کامیاب رہے۔ان کے منصوبے کی اہمیت پر عتیق صدیقی لکھتے ہیں:۔

> ہندوستان آتے ہی اس کے ذہن رسا نے یہ اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ ہندوستان کا بوڑھا جاگیردارانہ نظام' اس کے وطن کے نوخیز تجارتی سامراج کے مقابلے میں ٹک نہ سکے گا۔۔۔ اسے اپنے اس خیال پر بھی پورا بھروسہ تھا کہ حکمران طبقے کے تجارتی و انتظامی مصالح ان کو ہندوستانی زبان کے سیکھنے پر جلد ہی مجبور کر دیں گے' جس کے موثر ذرائع اس وقت کلیتًا ناپید تھے''۔(۳)

گل کرسٹ نے اس مقصد کی لئے ''ہندوستانی فلالوجی''(Hindoostanee Philology) کا منصوبہ اختراع کیا۔ یہ منصوبہ اردو زبان کی قواعد' لغات (انگریزی ہندوستانی' ہندوستانی انگریزی) اور ضمیمے پر مشتمل تھا جس کے تحت ۱۷۸۶ء سے ۱۷۹۸ء تک چار کتابیں انگریزی زبان میں تالیف کیں۔منصوبے کی غرض وغایت یہی تھی کہ کمپنی کی لسانی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے جتنی جلدی ممکن ہو سکے یہ مواد اکٹھا کر کے کتابی شکل میں مرتب کر دیا جائے۔اس منصوبے میں گل کرسٹ کو کٹھن راہوں کے سفر کرنا پڑے۔ ہندوستانی انگریزی لغت مرتب نہ ہو سکی لیکن اس سلسلے کی تین کتب' انگریزی ہندوستانی لغت' ہندوستانی گریمر اور اپینڈکس (Appendix) کی اشاعت نے ان کے اشاعتی منصوبے کی صورت میں کمپنی کے حل وعقد کو یہ مضبوط بنیاد فراہم کر دی تھی کہ وہ اس نوزائیدہ زبان پر مکمل اعتماد کرتے ہوئے حکمرانی کی زبان کے طور پر منتخب کریں اور انگریز افسروں اور دیگر انتظامی امور سے جڑے افراد کو اردو زبان کی تحصیل کی طرف راغب کریں اور یہ کام عملی صورت میں ممکن بھی ہوا۔ اس زبان کی اہمیت اور گل کرسٹ کا اس زبان میں انہماک دیکھ کر لارڈ ولزلی (Wellesley) نے اسم منصوبے کا عملی تجربہ کرنے کے لئے گل کرسٹ کو ۱۷۹۸ء میں محدود پیمانے پر ایک ''سیمینری'' شروع کرنے کی اجازت دی۔ان کی حوصلہ افزائی سے اوری اینٹل سیمینری (Oriental

(Seminary کا قیام (۱۷۹۹ء) گل کرسٹ کی کوششوں کی ایک بہت بڑی فتح تھی جو عملی شکل میں سامنے آئی۔ اس سیمینری کو ''گل کرسٹ کا مدرسہ'' بھی کہا جاتا تھا۔ اس پلیٹ فارم کی کامیابی سے ہی دراصل فورٹ ولیم کالج کے منصوبے کا خیال عملی طور پر ممکن ہوسکا۔ کمپنی کے ملازمین کو فارسی زبان سیکھنا ضروری تھا' لیکن یہ زبان سیکھنے میں کچھ دشواریاں موجود تھیں جن کی وجہ سے ملازمین فارسی زبان کی تحصیل میں کامل کامیابی سے ہمکنار نہ ہوتے۔ گل کرسٹ نے ان مسائل کے حل کے لیے یہ تجویز پیش کی تھی کہ مقامی منشیوں سے کمپنی ملازمین کے فارسی سیکھنے کے مرحلے کو سہل بنانے کے لیے ضروری ہے کہ ان کو پہلے مقامی زبان (اردو) سکھائی جائے۔ اس زبان کو سیکھنے کے بعد ملازمین کے لیے فارسی زبان میں کامیابی حاصل کرنا زیادہ سہل ہوجائے گا۔ ان کی یہ تجویز ۱۷۹۸ء سے قبل کی ہے جس کو لارڈ ولزلی نے قبول کرتے ہوئے ''مدرسۂ شرقیہ'' بنانے کی منظوری دی تھی۔ عتیق صدیقی کے مطابق'

> ''[ولزلی لکھتے ہیں] مسٹر گل کرسٹ کی پیش کش کو قبول کر لینا ہی مناسب ہوگا۔ کیونکہ دیسی زبان کی تعلیم کو فروغ دینے میں یہ تجویز ممد ثابت ہوگی۔ میری رائے ہے کہ اس کو منظور کرلیا جائے اور آئندہ جنوری سے اس پر عملدرآمد شروع ہوجائے۔ کلکتے میں جو نووارد رائٹر اس وقت موجود ہیں ان کو ایک سال تک گل کرسٹ سے درس لینے کی ہدایت کی جائے''۔ (۴)

لارڈ ولزلی کی یہ منظوری گل کرسٹ کے اردو زبان کے نفاذ کے عملی پہلو کی طرف ایک بڑا قدم تھا۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس مدرسے کا قیام دراصل فورٹ ولیم کالج کے منصوبے کا آغاز تھا۔ لارڈ ولزلی انہی اقدامات کے باعث مشرقی علوم وفنون کی طرف متوجہ ہوا تھا۔ ولزلی نے ایک مشرقی کالج (فورٹ ولیم کالج) کے قیام کا منصوبہ گل کرسٹ سے متاثر ہوکر مستحکم کرلیا تھا۔ ان کا یہ منصوبہ کسی طور پر بھی مشرقی علوم کی بڑی یونی ورسٹی سے کم نہ تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ کالج کا برقرار رہنا ہی آگے چل کر کمپنی کے تاجر ذہنیت کے ڈائریکٹران نے مشکل بنا دیا تھا۔

اس سلسلے میں اردو زبان کے موجود دروپ سروپ، اہمیت، اس کے بارے میں ملکی وغیر ملکی افراد کی آراء اور نقطۂ نظر پر گل کرسٹ نے اپنا زاویۂ نظر واضح کیا۔ اردو زبان کی اہمیت راسخ کرنے کے لیے ضروری تھا کہ اس کے بارے میں غیر ملکی افراد کی غلط فہمیاں دور کی جائیں۔ عام طور پر اس عہد میں اس زبان کو "Moors" زبان کے نام سے پہلے کے مستشرقین نے موسوم کیا تھا۔ اس نام سے ایک مفہوم تو یہ فرض کرلیا گیا تھا کہ یہ صرف مسلمانوں کی بولی جانے والی زبان ہے'۔ دوسرا یہ کہ یہ ایک غیر ترقی یافتہ' غیر مہذب' گلیوں بازاروں کی دیہاتی زبان ہے جس کو شرافیہ کے ہاں کوئی علاقہ نہیں۔ Moors نام کی اس غلط تشریح سے پیدا ہونے والے مفہوم کی وجہ سے گل کرسٹ سے قبل جارج ہیڈلے (George Hadley) اپنی اردو قواعد میں ناپسندیدگی کا اظہار کر چکے تھے کہ یہ نام اردو زبان پر صادق نہیں آتا۔ جان گل کرسٹ نے اعلانیہ احتجاج کی صدا بلند کی اور اپنی کتب کے سرورق پر واضح انداز سے Moors نام رکھنے اور پکارے جانے پر ناپسندیدگی کا اظہار درج کیا۔ ان کی کتب کے سرِ ورق پر جہاں

جہاں مورس (Moors) نام لکھا ہے وہاں پر واضح انداز سے اس پر 'Improperly Called Moors Language' درج ہے جو اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ان کو اس بات سے شدید چڑ تھی کہ اس کے پیش رو محض غلط فہمی کی بنا پر اس مہذب زبان کا غیر مہذب نام عام کر گئے تھے اور یہ نام ٹھیک نہیں تھا۔ ہندوستانی زبان کیا ہے۔ اس کو واضح کرنے کے لیے جو حد بندی اور معلومات گل کرسٹ نے دی ہیں' اس سے قبل نہ دی گئی تھیں سب سے پہلے تو یہ بات سمجھنے کی ہے کہ گل کرسٹ ہندوستانی زبان کسے کہتے ہیں۔ (اس سلسلے میں ان کی کتاب "Oriental Linguist" کے تعارفی باب میں دی گئی تفصیل سے بخوبی استفادہ کیا جا سکتا ہے)۔ اس تفصیل کی رو سے یہ پتہ چلتا ہے کہ گل کرسٹ کے نزدیک ہندوستانی زبان ہندوستان بھر کے ہندوؤں مسلمانوں اور پورے ملک کی مشہور زبان ہے۔ مسلم حملہ آوروں اور حکمرانوں کی ہندوستان آمد سے قبل یہ زبان ہندوی/ ہندی کہلاتی تھی۔ جب مسلم دور حکومت ہندوستان میں شروع ہوا تو ان کی عرب و ایران و افغانستان سے آمد اور ان کی اپنی زبانوں عربی' فارسی اور ترکی کے الفاظ کی مقامی ہندوی زبان میں آمیزش سے اس ہندوی کا روپ بدلتا چلا گیا جو بعد میں وہ نہ رہا جو ہندوی کی شکل میں ہندوستان میں پہلے سے موجود تھا۔ مزید یہ کہ امیر تیمور کے حملوں کے دور میں یہ زبان ہندوستانی کی شکل اختیار کرتی ہے۔ یوں فارسی عربی الفاظ' تلفظ اور محاورے کی آمیزش سے یہ زبان ہندوستانی زبان بن گئی۔ انہوں نے ہندوستانی زبان کی تشکیل اور مسلم حکمرانوں کی زبانوں کے اشتراک و نفوذ کو ایک دلچسپ مثال سے واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ گل کرسٹ لکھتے ہیں'

> "Hinduwee, I have treated as the exclusive property of Hindoos alone; and have therefore constantly applied it to the old language of India, which prevailed before the Moosulman invasion; [now Hindoostanee is] composed of Persian and Arabic in which the two last may be considered in the same relation, that Latin and French bear to English: while we may justly treat the Hinduwee of the modern speech of Hindoostanee, as the Saxon of the former thus:- Saxon LATIN French = Englis Hinduwee Arabic Persian= Hindoostanee". (۵)

اس پیراگراف کی مدد سے ایک نتیجہ یہ بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اردو زبان کو یورپی کلیے اور فارمولے کی مدد سے سمجھا جا رہا تھا۔ گل کرسٹ نے گو اردو زبان کی قواعد مرتب کرتے ہوئے یہ نقطہ نظر اختیار کیا تھا کہ ان سے قبل کے قواعد نویس اردو زبان کے قواعدی ماڈل کو لاطینی طرز کے ماڈل کے تابع رکھ کر زبان کو سمجھنے کی کوشش کرتے رہے جس کی وجہ سے قواعدی کتب میں خامیاں در آئیں اور یہ کہ اس زبان کو اس کے اپنے نظام سے سمجھا جانے چاہیے تھا لیکن مذکورہ اقتباس کی روشنی میں ہم دیکھتے ہیں کہ گل کرسٹ نے بھی اردو زبان کی تشکیل میں عربی فارسی کے کردار کی مثال دینے کے لیے انگریزی زبان کی تشکیل میں شامل فرنچ لاطینی وغیرہ کی مثال سے سمجھانے کی کوشش کی ہے یعنی گل

کرسٹ بھی اردو زبان کو یورپی ماڈل کے تقابل سے ہی سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ایک اہم کام اس ضمن میں انہوں نے یہ کیا کہ اس زبان کا ایک نام متعین کیا جسے آئندہ چل کر ہندوستانی زبان کہا جانے لگا۔ گل کرسٹ نے ہندوستان کی وہ مختلف بولیاں جنہیں گریرسن (Grierson) نے اپنے لسانیاتی جائزہ ہند میں ہندوی آریائی کی مرکزی بولیوں کا نام دیا تھا اور جو ہمالہ کی رائی سے لے کر کماری کے ساحل تک اور بمبئی سے لے کر کلکتے تک مختلف شکلوں میں بولی اور سمجھی جاتی تھیں، ان کو ترقی دے کر گل کرسٹ نے زبان کا درجہ دے دیا اور ہندوستانی اس کا نام رکھا۔ اور پھر اس جدید ہندوستانی زبان کا نیا نثری ادب پیدا کیا۔ گل کرسٹ کا یہ ایسا کارنامہ ہے جس کے سامنے مستشرقین کے کام بے حقیقت ہیں۔ (۶) گل کرسٹ کی مساعی کی بدولت اردو زبان گلی کوچوں کی عوامی بول چال کی سطح سے ترقی کر کے دفتری، رسمی، ادبی، سفارتی زبان بن گئی اور مقامی ہندوستانی بولیوں کو زبان کے درجے پر پہنچانا گل کرسٹ کا ایسا اعزاز ہے جو ان کو تواریخ زبان و ادب میں ہمیشہ سرخرو رکھے گا۔ جان گل کرسٹ کی پیہم کوششوں سے ہی بالآخر ایسٹ انڈیا کمپنی کو گل کرسٹ کی اس رائے پر قائل ہونا پڑا کہ فارسی زبان کی بجائے اردو زبان کو سرکاری زبان کا درجہ دیا جائے۔ مولوی سید محمد لکھتے ہیں:۔

> ''ڈاکٹر گل کرسٹ نے ہندوستان کی مختلف زبانوں پر ناقدانہ نظر ڈال کر ارباب مقتدر کو مطلع کیا کہ اب فارسی ہندوستان کے باشندوں کی زبان نہیں رہی... جو علاقے کمپنی کے تصرف میں ہیں ان میں فارسی کو دفتر زبان کی حیثیت سے برقرار رکھنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ دیگر ملکی السنہ میں صرف اردو یا ہندوستانی کا دائرہ عمل نہایت وسیع ہے اور ضرورت ہے کہ اس عام بول چال کی زبان کی تحصیل کی جائے ابتداً ان کی اس معقول تحریک پر جیسی چاہیے توجہ نہیں کی گئی مگر بعد ازاں یورپی ماہر السنہ نے متفقہ طور پر ان کی رائے قبول کر لی۔ ۱۸۳۲ء میں اردو سرکاری زبان قرار پائی''۔ (۷)

گل کرسٹ نے اردو کے روزمرہ کے استعمال کو بطور خاص اہم سمجھا۔ روزمرہ، محاورہ، عوامی بول چال اور مشاہیر وکلاسیکی شعراء کا کلام ان کو اردو زبان کے متنوع استعمالات سمجھانے میں سودمند ثابت ہوا۔ سر ولیم جونز (Sir William Jones) نے ہندوستان آ کر یہ نقطہ نظر مستشرقین کے لیے پیش کیا تھا کہ اگر ہندوستان کو سمجھنا ہے تو اس کے کلاسیکی متن کو سمجھو۔ ولیم جونز نے سنسکرت اور فارسی کے متون کے مطالعہ۔ ہندوستان اور ہندوستانی فرد کا خاکہ بنا کر اس کو سمجھا۔ گل کرسٹ نے ولیم جونز کے اس نقطہ نظر میں اپنا نقطہ نظر شامل کیا کہ اگر صرف کلاسیکی متون سے مقامی فرد کا خاکہ بنایا گیا تو وہ اس قدر جامع اس لیے بھی نہ ہوگا کہ عموماً ادب اشرافیہ کے ذوق و معاشرت کا ایک تصور واضح کر دے گا لیکن زبان کا وہ بنتا بگڑتا روپ اور مزاج جس کا براہ راست تعلق عوام سے ہے اس کا تصور واضح نہ ہو سکے گا۔ چنانچہ گل کرسٹ نے کلاسیکی متون کے ساتھ ہندوستانی عوامی معاشرت، زبان، جارگن، مورز، بگڑا الٹ لہجہ Vulgar روپ، نیز مختلف رائج روپ مطالعہ کرنے کے بعد ہندوستان اور ہندوستانی فرد کا وہ روپ بنا کر پیش کیا

جو اپنی حقیقت کا واقعی ہندوستان کا نمائندہ فرد تھا۔ یہاں جان گل کرسٹ ولیم جونز سے یوں بھی زیادہ واضح اور کامیاب رہے کہ ولیم جونز کا مخاطب اشرافیہ کا پڑھا لکھا طبقہ تھا جس کی زبان اور لب ولہجہ آراستہ وپیراستہ تھا جبکہ جان گل کرسٹ نے ان پڑھ، غیر ترقی یافتہ ہندوستانی فرد کو مطالعہ میں شامل کر کے اس عہد کی مستشرقین کی روایت میں اضافے کیے۔

گل کرسٹ نے اس دور میں اپنے قلیل عرصے کے مشاہدے سے یہ ادراک کرنے میں دیر نہ لگائی کہ ہندوستان کو سمجھنا ورنیکلر زبانوں کی مدد سے آسان ہوگا جو تمام افراد کے مابین رابطے کا ذریعہ ہو۔ ہندوستانی زبان اس دور میں صرف عوامی بول چال اور ملک بھر میں لنگوا فرینکا کے طور پر ہی مستعمل نہ تھی بلکہ اشرافیہ اور سرکار دربار تک بھی عوامی رابطے کا بہتر ذریعہ بن چکی تھی چنانچہ جونز کے کلاسیکی زبانوں والے خیال کی نسبت گل کرسٹ کا ورنیکلر زبان کی مدد سے عوام تک رسائی کا تصور کامیابی سے زیادہ ہمکنار ہوا۔ مستشرقین اور کمپنی کے حکمران مقتدرہ کو اس بات کی سمجھ آ چکی تھی کہ ہندوستانیات (Indology) کسی اور عامل کا نہیں بلکہ صرف زبان کا نام ہے اور اگر اس عوامی زبان پر قدرت حاصل کر لی جائے تو اس کا مطلب ہوگا کہ ہندوستان ہاتھ میں آ گیا ہے۔ ولیم جونز کے نقطہ نظر کی عملی صورت تحریری کلاسیکی متن کی صورت میں موجود تھی جبکہ گل کرسٹ کا ہندوستانی فرد کتابی متن سے جدا ایک الگ عملی سچائی تھا جس کا مطالعہ زیادہ ضروری تھا۔ اس نے ہندوستانی زبان کو جارگن' اور درباری زبان کے روپ کے طور پر پیش کیا۔ جارگن اس زبان کا روپ تھا جو عوامی بول چال کی زبان تھی اور جسے 'مورس' کے (Improper) نام سے مشہور کر دیا تھا جبکہ درباری زبان اردو زبان کا وہ روپ تھا جو سلجھی وشستہ زبان کے طور پر فارسی کی جگہ اشرافیہ اور درباری طبقے کے لیے بول چال کے طور پر رائج ہو چکی تھی۔ ڈاکٹر ناصر عباس نیئر ولیم جونز اور جان گل کرسٹ کے لسانی تصور کا تقابل کرتے ہوئے لکھتے ہیں'

> ''ولیم جونز اور گل کرسٹ ہندوستان کا لسانی تصور کرنے میں متفق تھے۔ دونوں نو آبادیاتی صورت حال میں زبان کے نہایت اہم کردار کا پختہ یقین رکھتے تھے اور اس کردار کے خط وخال اور اہمیت واضح کرنے میں بنیاد گزار بننے کے لیے سرگرم اور کامیاب رہے۔۔۔ولیم جونز کے لیے ہندوستانی ''کلاسیکی زبان'' اور گل کرسٹ کے لیے یہ ''ورنیکلر زبان'' تھا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ہندوستان کے یہ دونوں لسانی تصورات ۱۷۸۰ء کی دہائی میں وضع ہو رہے تھے... (مگر) حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کا وہ لسانی تصور اس کی کلاسیکی اور ورنیکلر زبانوں سے ہی مکمل ہوتا تھا جسے برطانوی ذہن نے نو آبادیاتی ثقافتی منصوبے کے نہایت اہم حصے کے طور پر قائم کیا تھا۔ اس اعتبار سے ولیم جونز اور گل کرسٹ ایک ہی ثقافتی پراجیکٹ کی تکمیل کے لیے دو یکساں اہمیت کے حامل محاذوں پر سرگرم تھے''۔ **(۸)**

گل کرسٹ نے اردو زبان کو تین درجوں میں تقسیم کیا۔ پہلا درجہ زبان کا شستہ اور پرتکلف روپ تھا جو

درباری اسلوب تو ہوسکتا تھا لیکن عوامی نہیں۔اس روپ کو اختیار کرنا انگریزوں کے لئے فائدہ مند نہ تھا۔اس درجے کو گل کرسٹ نے عدالتی زبان کے طور پر تیار اور تجویز کیا۔اس کے لئے مرزا رفیع سودا کی غزل بطور نمونہ اپنی کتب میں درج کیں۔دوسرا نمونہ عوامی زبان تھی جس کی مثال کے لئے انہوں نے مسکین کے مرثیوں میں برتی گئی عام فہم زبان کے اسلوب کو سامنے رکھا۔اس زبان کا تیسرا روپ وہ روپ تھا جس میں مقامی غیر مستند محاورہ اور لب ولہجہ غالب تھا۔اس کو انہوں نے vulgar زبان سے ظاہر کیا تھا۔یہ زبان ہندی زبان کہلاتی تھی۔برنارڈ ایس کوہن نے اپنی ایک کتاب Colonialism an its forms of knowledge میں جو ۱۹۹۶ء میں پرنسٹن یونی ورسٹی سے شائع ہوئی، مستشرقین کے مختلف ہندوستانی زبانوں کے لیے کام اور ان کے مقاصد پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔اس میں اس نے سنسکرت، بنگالی، فارسی، عربی زبان کی اہمیت اور ان پر مرتب کیے گئے لغات وقواعد پر روشنی ڈالنے کے بعد اردو زبان پر بھی اپنا خاص نقطہ نظر پیش کیا ہے جس کو Hindustani as "Language of command" کے طور پر سمجھا جاسکتا ہے۔ان کا خیال تھا کہ گل کرسٹ ہندوستانی زبان کے متون کی تیاری اور اس کی اہمیت کو ثابت کر کے دراصل ایک ایسی زبان کی تشکیل کا منصوبہ مکمل کر رہا تھا جسے مستقبل کے لیے حکمرانوں کی (سرکاری) زبان کی اتھارٹی بننا تھا۔اس نظریے کو وہ مذکورہ کتاب کے باب نمبر۲ میں بیان کرتا ہے جس کا عنوان ہے "Command of Language and Language of command" ۔کوہن کا خیال ہے کہ ہندوستانی زبان کو گل کرسٹ اپنی شبانہ روز کی کاوشوں سے "Command of Language" کی اتھارٹی بنانا چاہتے تھے جسے انگریزوں کی حکومت میں اہم مقام حاصل ہونے والا تھا۔

سترہویں اور اٹھارہویں صدی میں ہندوستان کے ساحلی علاقوں میں انگریزوں کو مراٹھی، فارسی اور 'مورس' زبانوں کی اہمیت کا ادراک ہوا تو ان کی طرف توجہ دی جانی ضروری خیال کی گئی۔جان گل کرسٹ کا اپنے پیش رو مستشرقین میں امتیاز یہ تھا کہ ان لوگوں نے ہندوستانی زبان کو محض جارگن، مورس، Vulgar زبان کے طور پر دیکھ کر اس توجہ سے اس کی قواعد ولغات پر اتنی توجہ نہ دی تھی، جبکہ گل کرسٹ نے اسے ان ناموں کی بجائے ''ہندوستانی'' کا نام دے کر اس پر کام کیا تو اس زبان کی نئی اتھارٹی بنانے میں کامیاب ہوگئے۔ کوہن کے پیش کئے گئے تھیسز سے اخذ کیا جاسکتا ہے کہ گل کرسٹ نے اردو زبان کی تین سطحیں دریافت کیں جن میں پہلی سطح وہ ہندوستانی زبان تھی جو عدالتی امور کی انجام دہی میں استعمال ہو رہی تھی جو مقامی کلاسیکی شعراء کی تخلیقات میں ملتی تھی اور اس پر فارسی کا غلبہ تھا، دوسری سطح جسے گل کرسٹ درمیانی ''جینوئن'' سطح سے تعبیر کرتے ہیں، جبکہ تیسری سطح عوامی بگڑے ہوئے لہجے کی حامل تھی جسے "Vulgar" ہندوی کہا جاسکتا تھا۔یہ سطح ان سے پہلے کے مستشرقین کے پیش نظر رہی تھی جس کی وجہ

سے وہ لوگ مغالطے کا شکار ہو کر ہندوستانی زبان کی اہمیت کو مکمل طور پر سمجھنے سے قاصر رہے۔ کوہن لکھتا ہے

> The court or persian style found in the elevated poems of Sauda, Vali, Mir Dard and other poets. This is the "pompours and pedantic language of literature and politics", wrote Gilchrist and it draws heavily on Arabic and Persian. The second level of Hindostanee is what Gilchrist wanted to establish as the standard language, and it can be found in the elegy of "Miskeen, the satires of Sauda, and the translation of the articles of war. The third level of the vulgar is evidenced, Gilchrist wrote". Mr. Forster's translation of the Regulations of Government-, in the greatest part of Hindoostanee compositions written in the Nagree character, in the dialect of the lower order servants and Hindoos, as well as among the peasantry of Hindoostan".(۹)

مندرجہ بالا طویل اقتباس نہ صرف اردو زبان کے بارے میں دی جانے اہم سطحوں کی مدد سے اس زبان کی اہمیت کو سمجھنے میں معاونت کرتا ہے بلکہ اس کی مدد سے گل کرسٹ کی ذات پر نقادوں کے کیے جانے والے ان اعتراضات کا بھی جواب ملتا ہے جن کا ذکر اس بات میں کیا گیا ہے' کہ گل کرسٹ نے ایک سازش کے تحت ہندوستانی اردو اور ہندی کے ناموں سے ہندوستان کی اہم زبانوں کو دو شاخوں میں تقسیم کر کے نہ صرف لسانی وحدت کو نقصان پہنچایا تھا بلکہ اس کی وجہ سے ملکی وحدت بھی متاثر ہوئی تھی۔ حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ گل کرسٹ کا اردو زبان کی تین سطحوں پر اسالیب میں تقسیم کرنا دراصل نو آبادیاتی حکمرانی کے مقاصد کے تحت زبان کا انتخاب کرنا تھا نہ کہ زبانوں کو گھٹیا اور عمدہ درجوں میں تقسیم کر کے ہندوستانیوں کو فرقوں میں ڈالنا تھا جسے گل کرسٹ کے نقاد سمجھنے سے قاصر رہے۔ گل کرسٹ نے اپنی پہلی کتاب ''انگریزی ہندوستانی ڈکشنری'' اور دوسری بڑی کتاب ''ہندوستانی زبان کی قواعد'' میں زبان کو مذکورہ سطحیں نہ صرف دکھائی ہیں بلکہ قواعد و لغات میں مسکین کے مرثیے اور سودا کی پرشکوہ زبان کے نمونے شعروں کی صورت میں شامل کیے گئے تھے۔ سودا و مسکین کی شاعری کو اس طور پر شامل کرنے سے گل کرسٹ کا مدعا یہی تھا کہ کلاسیکی استاد شاعر سودا کی زبان اردو زبان کا خاص علمی روپ ہے جس کو حکمران سمجھیں سیکھیں ضرور لیکن یہ روپ خاص اشرافیہ کے زیر استعمال تو ہو سکتا ہے' عوام کے زیر استعمال نہیں۔ عوامی زبان وہی ہے جو مسکین کے مرثیوں میں ملتی ہے جسے اہمیت دی جانی ضروری ہے۔ زبان کا یہ روپ کوہن کے "Language

"of command کے ماڈل پر پورا اترتا ہے۔

مرزا سودا اور مسکین کی شعری مثالوں کو اپنے قواعد ولغت میں کثرت سے استعمال کرنے کی نژ وجہ یہی تھی کہ زبان کی ان منتخب صورتوں سے اس کی کتابوں کے قاری بخوبی روشناس ہو جائیں۔ ذیل میں ان شعراء کی چند مثالیں درج کی جاتی ہیں۔ قواعد کے دوسرے باب میں جو Article کے مباحث سے متعلق ہے اس میں بھی مثالوں کے لیے سودا کے یہ اشعار کتاب کا حصہ ہیں۔

جیون غنچہ تو چمن میں بند قبا جو کھولے — پھر گل سے اے پیارے بلبل کبھو نہ بولے
آوے گا وہ چمن میں تڑکے ہی مے کشی کو — شبنم سے کہہ دے بلبل پیالے گلوں کے دھولے
باغِ جہان میں آ کر کچھ ہم نے پھل نپایا — اک دل ملا کہ جس میں ہیں سیکڑوں ملولے

(ہندوستانی گریمر ص ۵)

اب کچھ اشعار قدیم املا کے مطابق، تاکہ قارئین کو اُس دور کی املا سے کچھ واقفیت ہو سکے۔

اب خدا حافظ ہي سودا کا مجھی آ تا ہی رحم — ایک تو بستا ہي دیوان تس پہ آتی ہے بہار
سا لہا ہم ني نالۂ شب گیر کیا — آہ ایک روز تیری دل میں نہ تاثیر کیا

گل کرسٹ نے سودا کو یوں خراجِ تحسین پیش کیا

اب سامنے میرے جو کوئی پیروجواں ہے — دعویٰ نہ کرے یہ کہ مرے منہ میں زباں ہے
میں حضرتِ سودا کو سنا بولتے یارو — اللہ ہی اللہ کہ کیا نظم و بیاں ہے

ہندوستانی گریمر میں پیش کیے گئے مسکین کے مرثیے کے چند اجزا برائے مطالعہ تحریر کیے جاتے ہیں (مسکین کے مرثیے کی املا کو جدید املائی روپ میں تحریر کیا جارہا ہے)

(۱) باندھے ہوئے بچوں سے یہ سن کر آہ وزاری — حارث لعین کی عورت بہتیرا رو پکاری
عورت کے سر میں پہلے شمشیروِس نے ماری — پھر اپنا مار ڈالا بیٹا کنوارا بالا

(ہندوستانی گریمر ص ۴۵)

(۲) جس دم فرات اوپر پہونچا بڑا وہ خونخوار — اپنے غلام کے ہاتھ دی اپنی ننگی تلوار
کہنے لگا کہ میں کیا چھوٹوں اوپر کروں وار — تو ان بچوں کا سر کاٹ اے نوجواں لالا

(ہندوستانی گریمر ص ۴۶)

۳) حارث لعین جو چونکا یعنی یہ شور کیا ہے — ہمسایوں کے گھر میں کوئی چور کیا پڑا ہے
دیا جلا کے ڈھونڈا، کوئی اپنے گھر گھسا ہے — آخر بچوں کو پکڑا حجرے ستی نکالا

(ہندوستانی گریمر ص۶۰)

(۴) وہ پانی بھرنے والی سن کر کے دکھ اونہوں کا — کہنے لگی تمہارے بابا کا نام کیا تھا
رو کر کہا بچوں نے مسلم تھا نام وِس کا — کس کس محبتوں سے تھا ہم کو اوس نے پالا
(۱۰)

یہ اعتراض کہ گل کرسٹ نے فورٹ ولیم کالج میں ''پریم ساگر'' نامی کتاب سے دیوناگری رسم الخط کی حوصلہ افزائی کی' اس مفروضے کو اس طور پر سمجھا جانا ضروری ہے کہ انہوں نے اردو زبان کا تیسرا روپ Vulgar /مورس/ جارگن کی صورت میں محفوظ کر کے انگریزوں کو یہ بتانا ضروری سمجھا تھا کہ اس روپ کو اختیار کرنے میں خاص احتیاط کا مظاہرہ کریں۔گل کرسٹ زبان کا عمدہ روپ منتخب کر کے اسے حکمران اشرافیہ کے شایان شان بنانے میں کوشاں تھے جس سے بلا واسطہ اردو زبان کی خدمت ہو رہی تھی اور اس کا ایک خوبصورت روپ تیار ہو رہا تھا جو آج تک موجود ہے۔اس ضمن کی گل کرسٹ کی بہترین لسانی خدمت تاریخ کا حصہ بنتی ہے جس کی اہمیت اپنی جگہ مسلمہ ہے۔ایک غلط فہمی کا ازالہ ضروری ہے جو گل کرسٹ کے سر الزام کی صورت موجود ہے۔عام طور پر اردو زبان وادب کے علماء میں ایک طبقہ ایسا موجود ہے جو جان گل کرسٹ کی فورٹ ولیم کالج کے دور میں تصنیف وتالیف میں ایک بات سے ان سے خوش نہیں ہے۔یہ بات یوں ہے کہ کہ گل کرسٹ نے کسی شرارت یا سازش کے تحت کالج میں ادیبوں کے دو طبقے بنائے تھے جن سے اردو کے ساتھ ساتھ ہندی رسم الخط (ناگری) میں بھی کتب لکھوائیں۔عام طور پر للولال کوی کی کتاب ''پریم ساگر'' کے بارے میں خیال ہے کہ اس کتاب کی اشاعت سے فورٹ ولیم کالج میں ہندوستانی زبان دو دھاروں میں بٹ گئی تھی۔ایک دھارا اردو بن گیا جبکہ دوسرا ہندی کی صورت میں الگ ہو گیا تھا۔ گل کرسٹ کا اس ضمن میں کردار یہ تھا کہ انہوں نے للولال کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے زبان کے دو ٹکڑے کرائے جن سے قومی وحدت دو ٹکڑے بن گئی۔اس کا جواب یہ ہے کہ للولال کوی نے پریم ساگر نامی کتاب میں بھگوت گیتا کے ایک حصے کا دیوناگری رسم الخط میں ترجمہ کیا تھا اور یہ کتاب کالج کے اشاعتی منصوبوں کا حصہ تھی لیکن یہ الزام گل کرسٹ کے سر لگانا یوں ٹھیک نہیں ہے کہ دیوناگری رسم الخط نیا نہیں تھا۔گل کرسٹ کی آمد سے کئی سو سال قبل اس خط میں ہندوی تحریریں ملتی ہیں جن کی موجودگی بتاتی ہے کہ یہ ہندی دیوناگری خط سے زبان کو دو فرقوں میں تقسیم کرنے میں ان کا کوئی منفی وسازشی منصوبہ نہ تھا۔ گل کرسٹ کے نقطہ نظر ملاحظہ ہو جو انہوں نے اپنی انگریزی ہندوستانی ڈکشنری کے دیباچے میں لکھا ہے۔گیان چند جین گل کرسٹ کے جملوں کا ترجمہ پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

''گل کرسٹ نے کہا ہے کہ ہندوستانی کے تین اسلوب میں پہلا جسے فارسی اسلوب کا
اہم نمونہ کہہ سکتے ہیں اور جو سودا' میر' درد وغیرہ کے کلام میں یا پر تکلف ادبی یا سیاسی

تحریروں میں ملتا ہے۔ دوسرا درمیانی اسلوب جو مسکین کے مرثیے' سودا کی ہجویات اور اچھے پڑھے لکھے منشیوں کی گفتگو میں ملتا ہے۔ تیسرا ہندوی اسلوب جو ناگری میں لکھے مضامین میں اور نچلی سطح کے ملازموں' ہندوؤں اور کسانوں وغیرہ کی گفتگو میں دکھائی دیتا ہے۔ یعنی گل کرسٹ نے مسلمانوں کی تحریروں اور تکلمی اردو کو دو اسالیب قرار دیا اور ہندی میں لکھی تحریروں کو Vulgar اسلوب کہا ہے''۔ (۱۱)

گل کرسٹ نے اپنے عہد سے لے کر بیسویں صدی تک کے قواعد ولغت نویسوں کو نا صرف متاثر کیا ہے بلکہ اس میدان میں ان کو ایک سائنسی منہاج بھی عطا کی ہے جس کی مدد سے اردو قواعد اور لغت کی روایت مستحکم بنیادوں پر ارتقائی منازل طے کر رہی ہے۔ گل کرسٹ کی تمام لسانی کاوشوں کا مرکز ومحور ''اردو زبان تھی'' جس میں کارہائے نمایاں انجام دیتے ہوئے انہوں نے متنوع اقسام کی کتب تحریر کیں۔ جان گل کرسٹ کی لسانی میدان میں بڑی کاوش یہ ہے کہ ان سے قبل اردو لسانیات کے میدان میں چند ایک کتب ہی موجود تھیں لیکن اس اکیلے اسکالر نے اردو لسانیات کو بیس سے زائد کتب کا سرمایہ دیا ہے جو ان کی عظمت کی دلیل ہے۔

گل کرسٹ کی اردو زبان وادب کے میدان میں خدمات میں جائزہ لیتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ وہ واحد اسکالر تھا جس نے آ کر اردو کو بطور ایک بڑی زبان کے پہچانا اور اس کے اندر موجود امکانات کا ادراک کیا۔ انہوں نے اس زبان کو مورس کہنا ناپسند کیا' جارگن کے طور پر اس کو ماننے میں تامل کیا' اس کو علاقائی یا قصباتی زبان بھی نہ سمجھا بلکہ اس کو رابطے کی زبان کے طور پر دیکھ کر ''ہندوستانی'' نام دینے کی سفارش کی اور یہ نام آئندہ اس زبان کے ساتھ جڑ گیا۔ ان کے بعد کے مستشرقین نے اردو زبان کے اس ''ہندوستانی'' نام کے تحت ہی اپنی کتب تحریر وتالیف کیں۔ اردو زبان کو یہ مقام ومرتبہ اس زبان کے ان باشندوں کو بھی دینے کا خیال نہ آیا تھا جن کی یہ زبان ماں بولی کہلاتی تھی۔ اس نے اس زبان کو سیکھنے کے لیے انوکھا طریقہ اختیار کیا جس سے ان سے پہلے کے مستشرقین محروم رہے۔ عوام میں گھل مل کر' ان جیسا حلیہ بنا کر ان میں رہ کر زبان کے استعمال کی ہر سطح کا مشاہدہ کرنا ایک بڑی لسانی خدمت ہے۔ جتنا کام اکیلے گل کرسٹ نے مشکل حالات میں کیا' یہ کام اگر اردو زبان کا حامل کوئی مقامی فرد یا دیسی ادیب انجام دیتا تو بھی بڑی بات ہوتی لیکن جب ہم دیکھتے ہیں کہ ایک ایسا فرد جو ہندوستان کا مقامی باشندہ بھی نہ تھا' پیشے کے اعتبار سے بھی زبان وادب کا بندہ نہ تھا تو یہ بات بڑی حیرانی میں مبتلا کر دیتی ہے کہ انہوں نے اکیلے یہ کام کیونکر انجام دیا۔ ذیل میں ایک اقتباس میں گل کرسٹ کے ان جذبات کا نمونہ پیش کیا ہے جو وہ اردو زبان کے بارے میں رکھتے تھے اور مقامی افراد کی اس زبان کو مناسب عزت نہ دیے جانے پر ناخوش تھے جس سے ان کے خلوص کا اندازہ ہوگا۔ یہ جملے انہوں نے ''تقلیات'' کے اختتامیہ کے لیے لکھے گئے اپنے تاثرات میں درج کیے تھے۔ گل کرسٹ لکھتے ہیں'

''جہاں تک ہندوستانی زبان کا تعلق ہے، میرے دعوے کے صحیح ہونے کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ جن لوگوں کو اپنے سرکاری منصب کے لحاظ سے اس عام زبان میں ماہر ہونا چاہیے تھا وہ سب الا ماشاء اللہ اس سے قطعاً ناواقف ہیں۔۔۔ میں پورے اعتماد سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر ایک منشی ایسا ہے جو قواعد کے اصولوں کے مطابق ہندوستانی زبان سکھانے کا اہل اور خواہش مند ہے تو ننانوے منشی ایسے ہیں جو ہمیں فارسی اور عربی پڑھانا چاہتے ہیں۔ جس زبان کو ہندوستان کی عام زبان کہنا چاہیے اس کے پھیلانے کے سلسلے میں بہت سی رکاوٹیں ہیں جو برابر بڑھتی جا رہی ہیں۔ ان رکاوٹوں کو دور کرنے اور ان کا مقابلہ کرنے کے لیے میں نے یہ مجموعہ مرتب کیا ہے اور مجھے توقع ہے کہ میری یہ کوشش [نقلیات] بارآور ثابت ہوگی''۔ **(۱۲)**

حواشی وحوالہ جات

۱۔ Gilichrist, John, (qouted in) Colonialism and its forms of Knowledge by Bernard S. Cohn, Princeton University Press, new jersy, 1996, P.34

۲۔ سمیع اللہ، ڈاکٹر، فورٹ ولیم کالج... ایک مطالعہ، نشاط آفسٹ پریس، ٹانڈہ، فیض آباد (انڈیا)، ۱۹۸۹ء، ص۳

۳۔ عتیق صدیقی، گل کرسٹ اور اس کا عہد، انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ (انڈیا) ۱۹۶۰ء، ص۳۹

۴۔ ایضاً۔ ص۱۱۱۔۱۱۰

۵۔ Gilchrist, John, The Oriental Linguist--- Ferris Post Press, Calcutta, 1802, 2nd Edition , P.1

۶۔ گل کرسٹ اور اس کا عہد، ص۳۰۔۲۹

۷۔ سید محمد، مولوی، ارباب نثر اردو، مکتبہ ابراہیمیہ، حیدرآباد دکن (انڈیا) طبع دوم، ۱۹۳۷ء، ص۱۹

۸۔ ناصر عباس نیئر، مابعد نوآبادیات، اردو کے تناظر میں، آکسفرڈ یونی ورسٹی پریس، کراچی، ۲۰۱۳ء، ص۲۳۔۱۲۲

۹۔ Cohn,Bernard S.,Colonialism and its forms of knowledge.P.36

۱۰۔ Gilchrist,John, A Grammar of the Hindoostanee Language;(a System of Hindoostanee PhilologyChronicle Press Calcutta,1796

۱۱۔ گیان چند جین، ایک بھاشا، دو لکھاوٹ، دو ادب، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی نمبر۶ (انڈیا) ۲۰۰۵ء، ص۱۶۶۔۶۷

۱۲۔ گل کرسٹ، جان، مشمولہ نقلیات، از میر بہادر علی حسینی، ترتیب وحواشی پروفیسر وقار عظیم، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۹۶ء، طبع دوم، ص۳۶۔۳۷